متقدمین ومتاخرین فقہا کی آرا کی روشنی میں مال حرام کا منافع

محمد مشتاق احمد *

جاوید خان **

Abstract

Islam teaches its follower purification in every walk of life, be it associated with creed, character, worship or economic activities; it is advised that they should avoid contaminated substance. Unlawful income (*Maal-e-Haram*) is also prohibited by sharia to be earned or kept in custody; .however types of unlawful income are more than few, for instance *riba*, robbery, bribery etc and Sharia scholars have different views about each one of them, similarly opinions of sharia scholars are also different on profit earned on the lawful investment of unlawful income. In this paper, sharia guidelines regarding lawful and unlawful income is presented, different types of unlawful income and views of sharia scholars regarding the income and profit earned from the investment of the same are mentioned with arguments, in the end suggestions are given in light of present era regarding each type of unlawful income .

KEYWORDS: *Sharia, profit, unlawful income, charity.*

اسلامی معاشی نظام میں کسبِ حلال کی اہمیت کسی سے مخفی نہیں قرآنی نصوص اور ذخیرۂ احادیث اس بات پر شاہد ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ اپنے ماننے والوں کو حلال کمائی کی ترغیب دیتی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَآأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا [1] "یعنی اے لوگو! زمین میں سے حلال رزق ہے اس کو کھایا کرو۔"

---

* ڈاکٹر محمد مشتاق احمد، چیئرمین، شعبۂ علوم اسلامیہ والعربیہ، جامعہ سوات۔

** ڈاکٹر جاوید خان، لیکچرر، شعبۂ علوم اسلامیہ والعربیہ، جامعہ سوات۔

اسی طرح کا ارشادِ گرامی ایک اور آیت میں بھی فرمایا گیا:فَكُلُواْ مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلاَلاً طَيِّبًا وَاتَّقُواْ اللّهَ إِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۲)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا گیا:فَكُلُواْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّهُ حَلالاً طَيِّبًا وَاشْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (۳) "پس کھاؤ اس رزق میں سے جو اللہ نے تمھیں عطا کیا ہے حلال اور پاک۔ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم خاص اس کی عبادت کرتے ہو۔"

بلکہ اس سے بڑھ کر سورۃ الجمعہ میں جمعہ کی نماز کے بعد اللہ کے فضل کو طلب کرنے کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا۔ جس کے بارے میں اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے کہ اس کا مطلب خرید و فروخت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ (۴)

اسی آیت کی تفسیر میں مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت عراک بن مالک جب نماز جمعہ سے فارغ ہو کر باہر آتے تو دروازۂ مسجد پر کھڑے ہو کر یہ دعا کرتے تھے:

اللھم انی اجبت دعوتک وصلیت فریضتک و انتشرت کما امرتنی فارزقنی من فضلک و انت خیر الرازقین۔

"یعنی یا اللہ میں نے تیرے حکم کی اطاعت کی اور تیرا فرض ادا کیا اور جیسا کہ تو نے حکم دیا ہے نماز پڑھ کر میں باہر جاتا ہوں تو اپنے فضل سے مجھے رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔"

اور بعض سلف صالحین سے منقول ہے کہ جو شخص نماز جمعہ کے بعد تجارتی کاروبار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ستر مرتبہ برکات نازل فرماتے ہیں۔ اسی آیت کے آخر میں فرمایا گیا کہ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ، کہ معاشی سرگرمیون میں مشغول ہونے کی اجازت دی گئی ہے مگر اللہ تبارک وتعالی کے ذکر سے غافل نہ جاؤ بلکہ خرید و فروخت اور کاروباری سرگرمیوں میں مشغول ہوتے ہوئے بھی اللہ کا ذکر جاری رکھو۔

اسی طرح احادیث میں بھی کسب حلال کی بہت فضیلت آئی ہے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے:

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قام على المنبر فقال......

وَنِعْمَ صَاحِبُ الْمُسْلِمِ لِمَنْ أَخَذَهُ بِحَقِّهِ، فَجَعَلَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ، الخ (۵)

"حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ایک مرتبہ منبر پر فرمانے لگے کہ مسلمان کا مال کتنا عمدہ ہے جس نے اسے حلال راستوں سے حاصل کیا اور پھر اس کو اللہ کے راستے میں اور فقرا اور مساکین کی ضروریات میں خرچ کرتا رہا۔"

اسی طرح ارشاد نبوی ہے: أطيب الكسب عمل الرجل بيده وكل بيع مبرور (۶) "انسان کے لیے سب سے حلال اور پاک مال وہ ہے جو انسان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہو اور ہر ایسی بیع و تجارت جس میں خیانت نہ ہو۔"

حرام مال کی ممانعت

شریعت اسلامیہ نے جس طرح کسب حلال کا حکم دیا ہے اسی طرح حرام سے ممانعت کا حکم دیا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَـكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ (۷)

"اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھایا کرو۔ سوائے اس کے کہ رضامندی کے ساتھ تجارت کی صورت میں ہو۔"

اسی طرح رشوت کو بھی اموال خبیثہ میں شمار کرتے ہوئے اس سے ممانعت کا حکم دیا گیا۔ فرمایا گیا:

وَلَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَـكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ وَتُدۡلُوۡا بِهَآ اِلَى الۡحُكَّامِ (۸)

"ایک دوسرے کے اموال باطل طریقے سے نہ کھایا کرو اور نہ اس کو (بطور رشوت) حاکموں تک پہنچایا کرو۔"

نیز سود کی کمائی کو حرام اموال اور کسب خبیثہ قرار دیتے ہوئے حرام فرمایا گیا:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَيۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (۹)

"اور اللہ نے سود کو حرام اور خرید و فروخت کو جائز قرار دیا۔"

بلکہ سود کو اللہ اور رسول کے ساتھ جنگ کے مترادف قرار دیا۔ ارشاد باری تعالی ہے:

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ (۱۰)

"اگر تم اس سود سے نہ رکے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔"

اسی طرح یتیم کے مال کو ناحق کھانے کو آگ کھانے کے مترادف قرار دیا گیا۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَاۡكُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡيَتٰمٰى ظُلۡمًا اِنَّمَا يَاۡكُلُوۡنَ فِىۡ بُطُوۡنِهِمۡ نَارًا (۱۱)

"جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ ڈالتے ہیں۔"

نصوص قرآنیہ کے ساتھ ساتھ، احادیث نبویہ میں بھی حرام مال کھانے اور کھانے والے والے کی مذمت کی گئی ہے اور اس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

عن طريف أبي تميمة قال: شهدت جندب بن عبد الله البجلي رضي الله عنه وهو يوصي صفوان بن محرز وأصحابه ,فقالوا: أوصنا ني ,فقال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إن أول ما ينتن من الإنسان بطنه ,فمن استطاع أن لا يأكل إلا طيبا فليفعل (۱۲)

"عبد اللہ بجلیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ انسان کو سب سے پہلے فاسد کرنے والی چیز پیٹ ہے پس حلال اور پاک چیزوں ہی کو کھانا چاہیے۔"

اس طرح کی بہت ساری روایات میں حلال کھانے کا حکم دیا گیا بلکہ متعدد روایات میں مشکوک چیزوں سے بھی اجتناب کا حکم دیا گیا۔ جیسا کہ حضرت حسن بن علیؓ سے روایت ہے:

عن أبي الحوراء السعدي قال: قلت للحسن بن علي - رضي الله عنهما -: ما حفظت من رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ ,قال: حفظت من رسول الله صلى الله عليه وسلم: " دع ما يريبك إلى ما لا يريبك۔(۱۳)

"حضرت ابی الحوراؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حسن ابن علیؓ سے عرض کیا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے (جو کچھ) یاد فرمایا (اس میں سے ہمیں بھی کچھ بیان فرمادیجیے) انھوں نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مشکوک چیزوں کو یقینی چیزوں کے لیے چھوڑ دیا کرو۔"

اسی طرح کی ایک اور روایت میں یہی مضمون زیادہ وضاحت سے ارشاد فرمایا گیا ہے

عن النعمان بن بشير رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الحلال بين, والحرام بين وبينهما أمور مشتبهات لا يدري كثير من الناس أمن الحلال هي أم من الحرام فمن اتقى الشبهات استبرألدينه وعرضه ومن وقع في الشبهات, وقع في الحرام (۱۴)

"حضرت نعمان ابن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ حلال اور حرام دونوں واضح ہیں اور ان دونوں کے درمیاں کچھ چیزیں مشتبہ ہیں بہت سارے لوگ نہیں جانتے کہ حلال ہیں یا حرام پس جو شبہات سے اپنے آپ کو بچاتا ہے اس نے اپنے دین کو بچالیا۔ اور جو شبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ جائے گا۔"

مال کی اقسام

حرمت اور اباحت کے لحاظ سے مال کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں: ۱۔مال حرام ۲۔مال مباح

مال مباح وہ مال کہلاتا ہے جس سے استفادہ کرنا شرعا مباح ہو جبکہ اس کے مقابلے میں مال حرام وہ کہلاتا ہے جس سے استفادہ کرنا شرعا جائز نہ ہو۔(۱۵)

مال حرام کی اقسام

علامہ بسیونی محمد عبد السلام نے اپنی کتاب المنہیات الشرعیہ فی کتاب رب البریہ میں مال حرام کی ان اقسام کا ذکر کیا ہے جو قران کریم میں ذکر کی گئی ہیں۔ ان میں سب سے پہلے انھوں نے اکل اموال الناس بالباطل کو رکھا ہے

اور اس قسم میں ان تمام قسم کی اموال کو شامل کیا ہے جو ناحق اور باطل ذرائع سے حاصل کی گئی ہوں ان میں غصب، چوری وغیرہ شامل ہیں۔ دوسرے نمبر پر یتیم کے مال کو ناحق کھانے کو رکھا ہے تیسرے نمبر پر سود کھانے کو جبکہ چوتھے نمبر پر رشوت کھانا جبکہ پانچویں نمبر پر بلا استحقاق اور عمل معاوضہ یا اجرت کی وصولی کو مال حرام قرار دیا ہے۔[۱۶]

اس لیے فقہا کرام نے ذات کے لحاظ سے مال حرام کی دو اقسام کی ذکر کی ہیں:

(الف) حرام لذاتہ: وہ مال کہلاتا ہے جو اپنی ذات اور وصف دونوں کے لحاظ سے حرام ہو یعنی ایسی چیز جس کی ذات میں بھی حرمت ہو اور وصف کے لحاظ سے بھی اس کی حرمت ہو جیسے کہ مردار، خون وغیرہ۔۔ علامہ قرافیؒ مال حرام کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وھو ماکان حراما فی اصلہ ووصفہ[۱۷] ''جو شے اپنی اصل اور وصف دونوں میں حرام ہو وہ حرام لذاتہ ہے۔''

(ب) حرام لغیرہ: وہ مال کہلاتا ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے حلال اور جائز ہو لیکن کسی خارجی وصف کی وجہ سے اس میں حرمت پیدا ہوئی ہو تو وہ حرام لغیرہ کہلاتا ہے۔ جیسے: یتیم کا مال ناحق کھانا، دوسرے کا مال بغیر اجازت کے لینا یا چوری کا مال وغیرہ تو ان صورتوں میں اگرچہ مال اپنی ذات کے اعتبار سے حلال ہو گا لیکن کسی اور کی ملکیت ہونے کی وجہ سے اس کے غیر شرعی استعمال کو حرام قرار دیا جاتا ہے۔[۱۸]

مال حرام کی مزید قسمیں بھی بیان کی گئیں ہیں:

۱۔ مال حرام کی وہ قسم جس کو مالک کی رضامندی کے بغیر حاصل کیا گیا ہو اب یا تو یہ مال اصل مالک سے زبردستی لیا گیا ہو جیسے غصب میں یا اس طریقے سے لیا گیا ہو کہ مالک کو اس کا پتہ نہ چلا ہو جیسے چوری کا مال۔

۲۔ مال حرام کی وہ قسم جس کو مالک کی رضامندی کے ساتھ حاصل کیا گیا جیسے مثلاً ناجائز خدمات کے بدلے میں مال حاصل کیا جائے شراب کی فروختگی سے حاصل کیا گیا مال یا گانے بجانے کے عوض حاصل کیا گیا مال۔[۱۹]

اسی تقسیم کو ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف میں اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سواء کان لحرمته لذاته، بما فيه من ضرر أو خبث كالميتة والخمر، أم لحرمته لغيره، لوقوع خلل في طريق اكتسابه، لأخذه من مالكه بغير إذنه كالغصب، أو لأخذه منه بأسلوب لا يقره الشرع ولو بالرضا كالربا والرشوة.[۲۰]

''مال حرام کی حرمت چاہے اپنی ذات کے اعتبار سے ہو کہ اس کی ذات میں خبث ہو جیسے کہ شراب اور مردار سے حاصل کیا گیا مال یا وہ مال جس میں حرمت کسی اور خلل کی وجہ سے آیا ہو یعنی اس کے کمانے کے طریقے کی وجہ سے حرمت آئی ہوئی اور وہ مال فی نفسہٖ حلال ہو مثلاً: اس کے مالک سے بلا اجازت لینے کی وجہ

سے اس میں حرمت آئی ہو۔ جیسے: کسی سے چھینا ہوا مال یا اگرچہ مالک کی رضامندی سے وہ مال لیا گیا ہو لیکن ایسے طریقے سے وہ مال حاصل کیا گیا ہو جس کو شریعت نے جائز قرار نہیں دیا ہو۔ مثلاً سود یا رشوت کے ذریعے سے لیا گیا مال۔"

مال حرام کا مصرف

درج بالا اقسام کو دیکھتے ہوئے فقہائے کرام نے مال حرام کے مصرف اور اس کے توبہ کے طریقۂ کار کا تعین کیا ہے لہٰذا اگر کسی بصورت غصب یا چوری لیا گیا ہو تو اگر اصل مالک معلوم ہو تو اس کو مال لوٹانا لازم ہے یہی توبہ کی قبولیت کی شرط بھی ہے اور اگر اصل مالک معلوم نہ ہو تو اس کے ورثا کو مال دیا جائے گا اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس صورت میں اصل مالک کی طرف سے صدقہ کر لیا جائے گا۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

حائز المال الحرام لخلل في طريقة اكتسابه لا يملكه مهما طال الزمن، ويجب عليه رده إلى مالكه أو وارثه إن عرفه، فإن يئس من معرفته وجب عليه صرفه في وجوه الخير للتخلص منه وبقصد الصدقة عن صاحبه. (۲۱)

"جس کے پاس حرام مال ہو اور وہ اسی طریقے سے حاصل کیا گیا ہو وہ اس کا مالک نہیں بن سکتا چاہے کتنا ہی عرصہ کیوں نہ گزر جائے اور اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اس کو اصل مالک کو لوٹا دے یا اس کے وارثوں کو لوٹا دے اگر ان کو جانتا ہو۔ اگر ان تک پہنچنا ممکن نہ ہو (اور کسی بھی ذریعے سے ان تک مال پہنچانے کی کوئی صورت نہ بنے) اور مایوس ہو جائے تو اس کے لیے لازم ہے کہ اس مال کو نیکی کے کاموں میں خرچ کر لے۔"

علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان من شرط التوبة ان ترد الظلامة الى اصحابها، فان كان ذالك فى المال وجب اداؤه عينا او دينا او مادام مقدورا عليه فان كان صاحبه قدمات دفع الى ورثته وان لم يكن فالى الحاكم والا تصدق به على الفقرا (۲۲)

"علما احناف کی رائے کو عالمگیریہ میں نقل کیا گیا ہے کہ امام محمدؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر زبردستی کسی سے عطیات یا ہدایا وصول کیے ہوں اور اب وہ ان ہدایا کو ان کے اصل مالکوں کو واپس کرنا چاہتا ہے تو اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اگر ممکن ہو تو اصل مالکوں کو ان کی اشیا واپس لوٹا دے اگر ان کو واپس لوٹانا ممکن نہ ہو تو اس کو بیت المال میں رکھ دے اور پورا واقعہ اس کے ساتھ لکھ کر بیت المال میں جمع کر دے اور اس پر لقطہ کے احکام جاری ہوں گے۔" (۲۳)

اب اس صورت میں کہ جہاں پر حرام مال کسی حرام کام یا حرام اشیا کے بدلے میں لیا گیا ہو مثلاً گانا

گانے، شراب بیچنے کی رقم وغیرہ تو اس صورت میں اگرچہ بعض حضرات کی رائے ہے کہ اس کو بھی اصل مالک کی طرف لوٹانا لازم ہے۔ تاہم اکثر علما و محققین اس رائے سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کے رائے یہ ہے کہ اس صورت میں یہ مال فقرا و مساکین پر صدقہ کیا جائے اور اصل مالک کو نہ لوٹایا جائے اگرچہ اس کا مالک معلوم ہو علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

مَن قَبَضَ ما ليس له قَبْضُهُ شرعًا، ثُمَّ أرادَ التخلصَ منه، فإنْ كان المقبوضُ قد أُخِذَ بغيرِ رضا صاحِبِه، ولا استَوفَى عِوَضَهُ، رَدَّهُ عليه، فإنْ تَعَذَّرَ رَدُّهُ عليه، قَضَى به دينًا يَعلَمُهُ عليه، فإنْ تَعَذَّرَ ذلك رَدَّه إلى وَرَثَتِهِ، فإنْ تعذَّر ذلك تَصَدَّق به عنه، فإنِ اختارَ صاحبُ الحقِّ ثوابَه يومَ القيامَةِ كان له، وإنْ أَبَى إلا أنْ يأخذَ مِن حسناتِ القابضِ استَوفَى منه نظيرَ مالِهِ، وكان ثوابُ الصَّدَقةِ للمُتَصدِّقِ بها، كما ثَبَتَ عن الصحابةِ - رضِيَ اللهُ عنهم - وإنْ كان المقبوضُ برضا الدَّافِعِ، وقد استوفَى عِوَضَه المحرَّم، كَمَنْ عَاوَضَ عَلَى خمرٍ أو خنزيرٍ، أو عَلَى زنًا أو فاحشةٍ، فهذا لا يجبُ رَدُّ العِوَضِ عَلَى الدافعِ؛ لأنَّه أَخرَجَه باختيارِهِ، واستوفَى عِوَضَه المحرَّمَ، فلا يجوزُ أنْ يُجمَعَ له بين العِوَضِ والمُعَوَّضِ، فإنَّ في ذلك إعانةً له عَلَى الإثمِ والعُدْوانِ، وتيسير أصحابِ المعاصِي عليه، وماذا يُريدُ الزَّانِي وفاعلُ الفاحشةِ إذا عَلِمَ أنَّه ينال غرضه، ويسترد ماله؟ فهذا مما تُصانُ الشريعةُ عن الإتيانِ به، ولا يُسَوَّغُ القولُ به ..."، لكن لا يَطِيبُ للقابضِ أكلُهُ، بل هو خبيثٌ؛ كما حَكَمَ عليه رسولُ الله - صلَّى اللهُ عليه وسلَّم - ولكن خبثه لخُبْثِ مكسبِهِ، لا لظلمِ مَن أخذ منه، فطريقُ التَّخَلُّصِ منه، وتمامُ التوبةِ بالصدقةِ به، فإنْ كان محتاجًا إليه فله أنْ يأخُذَ قدرَ حاجَتِه، ويَتَصَدَّقَ بالباقي، فهذا حكمُ كلِّ كسبٍ خبيثٍ لِخُبْثِ عوضه عينًا كان أو منفعة. (۲۴)

اس عبارت سے درج ذیل امور کی وضاحت ہوتی ہے۔

۱۔ بنا رضامندی کسی کی کوئی چیز لینا جائز نہیں۔

۲۔ اگر کسی اور کی چیز بنا اجازت کے لے لی تو اس کو واپس کرنا ضروری ہے۔

۳۔ اگر اس شخص کو واپس کرنا ممکن نہ ہو مثلاً وہ شخص فوت ہو گیا ہو تو اس کے ورثاء کو وہ مال واپس کرے۔

۴۔ اگر اس کے ورثاء کو واپس کرنا ممکن نہ ہو پھر اس کی طرف سے صدقہ کر دے۔

۵۔ اگر حرام مال رضامندی سے ساتھ قبضہ میں آیا ہو جو کسی حرام کام کا عوض ہو تو اس کو واپس نہ کرے کیونکہ یہ گناہ میں اعانت کی صورت ہے۔ نیز اس صورت میں جس شخص نے غیر شرعی کام کے بدلے میں کوئی عوض دیا ہو تو اگر اس کو اس کا دیا ہوا مال بھی واپس کر دیا جائے تو عوض اور معوض ایک شخص کے ہاتھ میں جمع ہو جائیں گے۔

۶۔ اس طرح کے مال کو خود اپنے تصرف میں لانا بھی درست نہیں کیونکہ یہ بھی اموال خبیثہ میں سے ہے۔

۷۔ اس سے خلاصی اور توبہ کی یہی صورت ہے کہ اس کو فقراء اور مساکین پر صدقہ کر دے۔

۸۔ اگر یہ شخص خود مستحق ہے تو بقدر ضرورت اس مال کو اپنے تصرف میں لا سکتا ہے۔

اس آخری نکتے کو صاحب اختیار نے بھی بیان فرمایا ہے۔ ان کے رائے یہ ہے کہ اگر ملک خبیث کے ذریعے اس کی ملکیت میں کوئی مال آجائے تو اس کا مصرف صدقہ کرنا ہے البتہ اگر اس نے اپنی ضروریات میں اس حرام مال کو خرچ کر لیا تو اگر یہ خود مستحق اور نادار ہے تو اس کے لیے گنجائش ہے اور اگر یہ شخص مال دار ہے تو جتنا مال اس نے اپنی ضروریات میں صرف کیا اتنا مال فقرا میں صدقہ کر دے۔(۲۵)

بہر حال اس بات پر تمام محققین کا اتفاق ہے کہ مال حرام کا اگر مالک کو لوٹانا ممکن نہ ہو تو اس کا صدقہ کرنا لازم ہے۔ اور اگر یہ مال کسی حرام کام یا اشیا کا عوض ہو تو اسے فقرا اور مساکین میں صدقہ کر دے۔ اور اگر یہ شخص خود نادار ہے تو بقدر ضرورت اس مال کو اپنے استعمال میں لانے کی گنجائش ہے۔

مال حرام سے لی گئیں چیزیں اور حرام مال کے منافع

درج بالا صورتیں تو وہ تھیں کہ جن میں کسی کے ملکیت میں کوئی حرام مال آجائے تو اس کا حکم کیا ہو گا۔ لیکن اگر کسی کے پاس حرام مال ہو یا ایسا اثاثہ ہو جو حرام ذریعے سے حاصل کیا گیا ہو یا حرام مال کی جائز اور حلال سرمایہ کاری کی گئی ہو تو اس صورت میں ان اشیا کا کیا حکم ہو گا؟ اس کے بارے فقہائے کرام کی آرا مختلف ہیں۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی ایک ایک روایت یہ ہے کہ چونکہ یہ مال ایسے مال کا منافع تھا جو ناجائز تھا اس لیے اس کا منافع غاصب کے لیے حلال نہیں ہے۔ بلکہ ان منافع کا مستحق مال کا اصل مالک ہے۔

علامہ مرداویؒ تحریر فرماتے ہیں:

وان اتجر بالدراهم فالربح لمالكها يعنی اذا اتجر بعين المال او بثمن العيان المغصوبة فالمال وربحه لمالكها وهذا هو الصحيح من المذهب ونص عليه ونقله الجماعة وعليه الاصحاب(۲۶)

"اگر مال حرام کے مالک نے ان دراہم و دنانیر کے ساتھ تجارت کی تو اس مال کا منافع مالک کا ہو گا یعنی عین مال مغصوبہ اور عین ثمن کے ساتھ اور یہی ہمارا مذہب ہیں صحیح ہے اور اس کو علما کی جماعت نے نقل کیا ہے۔"

علامہ بہوتیؒ فرماتے ہیں: **ان نصوص احمد متفقة علی ان الربح للمالک۔**(۲۷) "امام احمدؒ کے ہاں یہ بات متفقہ ہے کہ ایسے مال کا منافع مالک کو ملے گا۔"

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> **ولا يطيب له ما شراه بالعين او بثمنها ولا يصير ملكا له ولم ياذن الشرع بذلك ولا سوغه وهكذا لا يطيب له الربح بل يجب عليه ارجاعه لمالكه هكذا ينبغی ان يقال فی مثل هذا البحث عملا لما تقتضيه القواعد الشرعيه۔**(۲۸)

"مال حرام کے ذریعے جو خریداری کی گئی ہو وہ بھی حلال نہیں اس شخص کے لیے اور نہ ہی اس کی ملکیت میں

وہ چیز آسکتی ہے اسی طرح اس مال سے حاصل ہونے والا منافع بھی اس شخص کے لیے جائز نہیں ہے بلکہ اس کے لیے واجب ہے کہ اس کو منافع سمیت (جو منافع اس مال مغصوب سے حاصل ہوا) کو اصل مالک کو لوٹادے اور یہی قواعد شرعیہ مامقتضاء ہے۔"

حضرات مالکیہ، بعض حضرات شافعیہ اور احناف میں سے حضرت امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ: مال حرام سے جو منافع حاصل ہوئے ہیں ان منافع کا مالک غاصب ہو گا۔

علامہ ابن رشدؒ فرماتے ہیں: **ان ما اغتل من المغصوب بتصريفه وتحويل عينه كالدنانير يغتصبها الغاصب فيتجر فيها فيربح فالغلة له قولا واحدا في المذهب۔** "یعنی مال مغصوب میں جو منافع اور اضافہ حاصل ہو جائے تو وہ غاصب کا ہو گا۔"(۲۹)

علامہ نووی شافعیؒ اس کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان الغاصب اذا اشترى بالمال المغصوب عرضا واستفاد منه ربحا لم يخل عقد ابتياعه من ان يكون الشراء قد وقع بعين المال او بغير عينه بان كان بعين المال فالشراء باطل لان العقد على المغصوب باطل ومع بطلان الشراء يفوت الربح وان كان الشراء في ذمة الغاصب والثمن مدفوع من المال المغصوب فالشراء صحيح لثبوت الثمن في الذمة وفي مستحقه قولان: الثاني وهو القول الجديد ان الربح للغاصب دون المغصوب منه۔(۳۰)

"اگر عین مال مال حرام سے کوئی چیز خریدی گئی اور اس سے منافع حاصل ہوا تو یہ عقد بیع اور اس کا منافع جائز نہیں کیونکہ مال مغصوب کے ذریعے بیع باطل ہے اور اور اگر غاصب کے ذمے مال کی ذمہ داری آجائے اور اس کی ادائیگی مال مغصوب سے کی جائے تو اس کی خریداری درست ہے اس صورت میں اگر منافع حاصل ہوجائے تو اس میں دو قول ہیں۔ قول جدید یہ ہے کہ اس کا منافع غاصب کو ملے گا نہ کہ مغصوب منہ کو۔"

اس کی مزید توضیح کرتے ہوئے یہ دلیل بھی دی گئی ہے کہ فقہ اسلامی کا مشہور قاعدہ ہے: **الخراج بالضمان**(۳۱) جس کا معنی ہے کہ جو بھی کسی کاروبار میں نقصان کی ذمے داری اٹھاتا ہے تو اس کا منافع بھی اسی کو ملتا ہے اور اس صورت میں غاصب ہی اس کاروبار میں نقصان کی ذمے داری اٹھاتا ہے نہ کہ مغصوب منہ اس لیے منافع کا حق دار غاصب ہی ہونا چاہیے۔(۳۲)

علامہ ابن تیمیہؒ کی رائے:

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اس مال کے منافع کو غاصب اور مغصوب کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ منافع اصل مالک کے مال اور غاصب کی محنت سے حاصل ہوا ہے تو دونوں کو ان کی سرمایہ کاری کے بقدر حصہ

ملے گا۔ چونکہ غاصب کا عمل اس کے لیے استعمال ہوا ہے اس لیے وہ آدھے حصے کا حق دار ہو گا اور اس منافع کے حصول میں مالک کا مال اور سرمایہ لگا اس لیے وہ آدھے حصے کا حق دار ہے۔"(۳۳)

مجموع الفتاوی میں نقل کیا گیا ہے:

أما المال المغصوب إذا عمل فيه الغاصب حتى حصل منه نماء ففيه أقوال للعلماء - هل النماء للمالك وحده؟ - أو يتصدقان به؟ أو يكون بينهما، كما يكون بينهما إذا عمل فيه بطريق المضاربة والمساقاة والمزارعة، وكما يدفع الحيوان إلى من يعمل عليه بجزء من دره ونسله؟ - أو يكون للعامل أجرة مثله إن كانت عادتهم جارية بمثل ذلك؟ كما فعل عمر بن الخطاب لما أقرض أبو موسى الأشعري ابنيه من مال الفيء مائتي ألف درهم وخصَّهما بها دون سائر المسلمين، ورأى عمر بن الخطاب أنَّ ذلك محاباة لهما لا تجوز، وكان المال قد ربح ربحاً كثيراً بلغ به المال ثمانمائة ألف درهم، فأمرهما أن يدفعا المال وربحه إلى بيت المال، وأنه لا شيء لهما من الربح لكونهما قبضا المال بغير حق فقال له ابنه عبد الله: إنَّ هذا لا يحل لك فإنَّ المال لو خسر وتلف كان ذلك من ضماننا، فلماذا تجعل علينا الضمان ولا تجعل لنا الربح؟ فتوقف عمر. فقال له بعض الصحابة: نجعله مضاربة بينهم وبين المسلمين، لهما نصف الربح وللمسلمين نصف الربح. فعمل عمر بذلك. وهذا مما اعتمد عليه الفقهاء في المضاربة، وهو الذي استقر عليه قضاء عمر بن الخطاب ووافقه عليه أصحاب رسول الله، وهو العدل. فإنَّ النماء حصل: بمال هذا، وعمل هذا، فلا يختص أحدهما بالربح، ولا تجب عليهم الصدقة بالنماء، فإنَّ الحق لهما لا يعدوهما، بل يجعل الربح بينهما كما لو كانا مشتركين شركة مضاربة(۳۴)

اس عبارت میں امام ابن تیمیہؒ نے مال حرام کے منافع کے حوالے سے علما کے مختلف اقوال کا تذکرہ فرمایا ہے اور پھر غاصب اور مغصوب منہ کے درمیان منافع کی آدھی آدھی تقسیم کے حوالے سے حضرت عمر فاروقؓ کا مشہور واقعہ نقل فرمایا ہے۔ جہاں حضرت عمر فاروقؓ کے بیٹوں کو حضرت ابو موسی اشعریؓ نے مال فئی میں سے دو لاکھ درہم مدینے منورہ پہنچانے کے لیے دی اور فرمایا کہ اگر وہ چاہیں تو اس سے کچھ سامان خرید کر وہاں بیچ دیں اور نفع خود رکھ لیں چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور اس میں ان کو بہت سارا منافع ہوا اور مال کی مقدار آٹھ لاکھ درہم تک پہنچ گئی حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے انھیں حکم دیا کہ اصل مال کو بمع منافع کے بیت المال میں جمع کر دیں تو ان کے بیٹے عبد اللہؓ نے فرمایا کہ یہ بیت المال کے لیے بھی جائز نہیں ہو گا کہ وہ منافع رکھ لے کیونکہ اگر یہ مال ضائع ہو جاتا تو ہم ہی ضامن ہوتے۔ تو ضمان اگر ہمارے اوپر تھا تو اس کا نفع بھی ہمارا ہونا چاہیے اس جواب کے بعد حضرت عمرؓ نے توقف فرمایا اور ان کو بعض صحابہ نے مشورہ دیا کہ اس کو مضاربت کی صورت بنا دیجیے اور آدھا حصہ ان کو بطور مضاربت کے نفع کے دیجیے اور آدھا حصہ بیت

المال کے لیے مختص ہو جائے بطور رب المال۔ حضرت عمرؓ نے اسی پر عمل کیا اور اسی پر صحابہ کرام نے عمل فرمایا۔ اسی لیے اس صورت میں بھی ان پر صدقہ واجب نہیں بلکہ اس مال کو ان دونوں کے درمیان تقسیم کیا جانا چاہیے گویا کہ یہ دونوں شرکت مضاربت کر چکے ہوں۔

اسی واقعہ کو امام مالک رحمۃ اللہ نے موطا میں بھی نقل فرمایا ہے۔[۳۵]

اسی طرح ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے علامہ ابن تیمیہؒ نے اس کی مزید وضاحت کی ہے فرماتے ہیں:

وسئل رحمه الله تعالى عن المال المغصوب من الإبل وغيرها إذا نمت عند الغاصب ثم تاب كيف يتخلص من المال؟وهل هو حرام أم لا ؟فأجاب: أعدل الأقوال في ذلك أن يجعل نماء المال بين المالك والعامل، كما لو دفعه إلى من يقوم عليه بجزء من نمائه.ثم إنَ الأصل ونصيب المالك إذا تعذر دفعهإلى مالكه صرفه في مصالح المسلمين [۳۶]

"امام ابن تیمیہؒ سے مال مغصوب کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جب ان میں اضافہ ہو جائے اور پھر وہ توبہ کرنا چاہے تو اس مال سے کیسے چھٹکارہ حاصل کرے؟ اور کیا یہ مال حلال ہے یا حرام؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میرے نزدیک ان میں منصفانہ قول یہ ہے کہ اس مال کا منافع مالک اور عامل کے درمیان تقسیم ہونا چاہیے اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی کسی کے ساتھ بطور مضاربت کوئی معاملہ کرے۔ پھر اس صورت میں اگر اصل مالک کو مال پہنچانا ممکن نہ ہو تو اس کو مسلمانوں کے مصالح میں خرچ کرنا چاہیے۔"

اسی رائے کو عصر حاضر کے بعض علما نے بھی اختیار فرمایا ہے۔ علامہ محمد ابن ابراہیم التویجری اسی رائے پر فتوی دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

فهذا يجب عليه رد رأس المال المغصوب لصاحبه مع نصف الأرباح، والباقي له كأنهم شركاء، هذا منه المال، وهذا منه العمل، وإن خسر فيجب على الغاصب ضمان رأس المال كله؛ لأن يده يد متعدية فيضمنه۔ [۳۷]

"اس صورت میں (یعنی مال مغصوب سے منافع کے حصول کی صورت میں) اس شخص پر لازم ہے کہ اصل راس المال اور آدھا منافع مالک کو واپس کر دے اور باقی منافع اس شخص کے لیے لینا جائز ہے گویا کہ ہم فرض کر لیں گے کہ یہ دونوں شریک تھے اور ایک جانب سے مال اور دوسرے جانب سے عمل۔ اور اگر نقصان ہوا تو اس صورت میں غاصب پر پورے راس المال کا ضمان ہو گا کیونکہ اس کا قبضہ زور زبردستی سے تھا تو وہ ضامن ہو گا۔"

احناف ؒ کی رائے

اس بات پر تو احناف کے ہاں اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ اگر غاصب مال مغصوبہ کا ضمان ادا کر دے تو اس کی ملکیت میں وقت غصب سے اس کی ملکیت شے مغصوب پر متصور ہو گی۔ اور اس کے لئے شے مغصوب مالک کو واپس کرنا ضروری نہیں تاہم اس مال سے حاصل شدہ منافع سے استفادہ کے حوالے فقہا احناف ؒ کی آرا مختلف ہیں:

ا۔ حضرت امام ابو یوسف ؒ کی رائے یہ ہے کہ ضمان کی ادائیگی کے بعد غاصب کے لیے اس نفع سے مستفید ہونے کی گنجائش ہے اور وہ حاصل شدہ منافع کو اپنے استعمال میں لا سکتا ہے۔ جبکہ حضرات طرفین یعنی حضرت امام ابو حنیفہ ؒ اور حضرت امام محمد ؒ کی رائے یہ ہے کہ حاصل شدہ منافع سے استفادہ کرنا غاصب کے لیے جائز نہیں۔

صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانی ؒ فرماتے ہیں:

قال: "ومن غصب عبدا فاستغله فنقصته الغلة فعليه النقصان"؛ لما بينا "ويتصدق بالغلة" قال رضي الله عنه: وهذا عندهما أيضا. وعنده لا يتصدق بالغلة، وعلى هذا الخلاف إذا أجر المستعير المستعار. لأبي يوسف أنه حصل في ضمانه وملكه. أما الضمان فظاهر، وكذا الملك؛ لأن المضمونات تملك بأداء الضمان مستندا عندنا. ولهما أنه حصل بسبب خبيث وهو التصرف في ملك الغير، وما هذا حاله فسبيله التصدق، إذ الفرع يحصل على وصف الأصل والملك المستند ناقص فلا ينعدم به الخبث. . (۳۸)

اگر کسی نے غلام چھین لیا کسی سے اور پھر اسے منافع بخش کاموں میں استعمال کیا اور اسی وجہ سے اس کی قیمت میں کمی آئی تو اس نقصان کا ذمے دار غاصب ہو گا اور جو منافع حاصل ہوا وہ غاصب صدقہ کرے گا اور یہ حضرات طرفین کا قول ہے جبکہ حضرت امام ابو یوسف ؒ کی رائے یہ ہے کہ حاصل شدہ منافع کا صدقہ کرنا ضروری نہیں۔ اور یہی اختلاف اس وقت بھی ہے جب کوئی عاریۃً لینے والی چیز کو اجرت پر دے۔ امام ابو یوسف ؒ کی رائے یہ ہے کہ ضمان اور ملکیت دونوں اس صورت میں غاصب کے ہیں اس لیے اس سے حاصل ہونے والے منافع بھی غاصب کے ہونے چاہییں۔ ضمان تو اس لیے کہ اگر مال مغصوب ہلاک ہو جاتا تو اس کی ذمے داری بہر صورت غاصب پر آتی اور ملکیت تو اس لیے ہے کہ احناف رحمہم اللہ کے ہاں یہ قاعدہ متفقہ ہے کہ مضمونات میں ضمان کی ادائیگی کی صورت میں ملکیت سابقہ وقت کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ جس کو استناد کہا جاتا ہے۔ حضرات طرفین رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ ملکیت اگرچہ غاصب کی ہو جاتی ہے تاہم اس ملک کے لیے سبب خبیث ہے اور اسی طرح سے جو بھی ملکیت ثابت ہو جائے اس کا طریقہ تصدق ہی ہے کیونکہ فرع اصل ہی کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے اور ملکیت بھی اس میں کامل نہیں بلکہ ناقص ہے اس لئے اس سے خبث زائل نہیں ہو پاتی۔

تاہم اس مال کی خباثت چونکہ عدم ملک کی وجہ سے ہے اس لیے اگر غصب شدہ چیز غاصب سے ضائع ہو جائے تو حضرات طرفین کے ہاں بھی اس حاصل شدہ کمائی سے اس کا ضمان ادا کیا جا سکتا ہے اس صورت میں اصل مالک کو ادائیگی کی وجہ سے اس مال میں خباثت کا وصف نہیں رہے گا۔

فلو هلك العبد في يد الغاصب حتى ضمنه له أن يستعين بالغلة في أداء الضمان"، لأن الخبث لأجل المالك، ولهذا لو أدى إليه يباح له التناول فيزول الخبث بالأداء إليه (۳۹)

حضرات احناف کے ہاں اس حوالے سے بھی روایات ملتی ہیں کہ غاصب یا تو ان حاصل شدہ منافع کو صدقہ کر دے اور اگر ان کو اصل مالک کے حوالے کر دے تو اس کی بھی گنجائش ہے: مجمع الضمانات میں ہے:

لَوْ أَجَّرَ الْمُرْتَهِنُ الرَّهْنَ مِنْ أَجْنَبِيٍّ بِلَا إجَازَةِ الرَّاهِنِ فَالْغَلَّةُ لِلْمُرْتَهِنِ، وَيَتَصَدَّقُ بِهَا عِنْدَ الْإِمَامِ وَمُحَمَّدٍ كَالْغَاصِبِ يَتَصَدَّقُ بِالْغَلَّةِ أَوْ يَرُدُّهَا عَلَى الْمَالِكِ۔ (۴۰)

اگر مرتہن مرہون کو راہن کی اجازات کے بغیر اجارے پر دے تو اس کا نفع مرتہن کا ہوگا (امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں) اور طرفین کے ہاں اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے اس کی مثال غاصب کی طرح ہے کہ اس کے لیے بھی منافع کا صدقہ کرنا ضروری ہے یا یہ کہ وہ ان منافع کو مالک کے واپس کر دے۔

اسی تخییر کے حوالے سے علامہ زیلعی نے بھی تصریح کی ہے کہ غاصب کے لیے ان منافع کو جس طرح صدقہ کرنے کا اختیار ہے اسی طرح وہ ان منافع کو اصل مالک کو بھی لوٹا سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں خباثت ناقص ملکیت کی وجہ سے آئی تھی جو مالک کی ملک میں نہیں ہے۔ (۴۱)

لیکن ان صورتوں سے وہ صورت مستثنیٰ ہے کہ جہاں غاصب نے شئ مغصوب میں ایسی زیادتی کی ہو جو متصل ہوں اور اس کی وجہ سے شئ مغصوب کی ہیئت بدل گئی ہو کہ اس صورت میں تصدق کا حکم استحبابی ہے۔ (۴۲)

غاصب کا مال مغصوب کے منافع کا استعمال

اگرچہ اس بات پر تمام فقہا متفق ہیں کہ اگر مال حرام کا اصل مالک معلوم ہو اور یہ مال کسی ناجائز کام کے بدلے میں حاصل نہ کیا گیا ہو تو اس صورت میں اصل مالک کو ان کا پہنچانا ضروری ہے اور اگر اصل مالک یا اس کے ورثا کا علم نہ ہو تو اس صورت میں اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ ان اموال کو اصل مالک کی طرف سے صدقہ کیا جائے سوائے اس صورت کے کہ جس میں خود یہ شخص مستحق ہو تو بقدر ضرورت اس کو اپنے استعمال میں صرف کر سکتا ہے۔ (۴۳)

اب اگر ان اموال کو کسی نے تجارت وغیرہ میں استعمال کر لیا تو اس صورت میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے ہاں ان اموال کے منافع کا استعمال خود غاصب کے لیے جائز ہے لیکن حضرات طرفین کی رائے اس میں مختلف ہے۔ ان کے نزدیک یا تو غاصب اس مال کو صدقہ کر دے یا ان اموال کو اصل مالک کو واپس کر دے۔ لیکن کیا ان حضرات کے ہاں کوئی ایسی صورت ہے کہ جس میں ان اموال کو یہ شخص اپنے استعمال میں لا سکتا ہے یا نہیں؟

اگرچہ قیاس کے اعتبار سے اس بات کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ جہاں اصل مالک معلوم نہ ہو تو اس صورت میں اگر یہ شخص خود مستحق ہو تو محققین علما نے ایسے شخص کو ان اموال سے استفادہ کرنے کی گنجائش دی ہے تو اس بات کی

بھی گنجائش بظاہر گنجائش ہونی چاہیے کہ اگر یہ شخص مستحق ہو تو اس مال کے منافعے سے اپنے اور اپنے اہل وعیال کے اوپر بقدر ضرورت خرچ کرلے۔

بلکہ علامہ سرخسیؒ نے اس شخص کو فقراسے مقدم قرار دیا ہے اور اس کا حکم لقطہ کے حکم کی طرح کا قرار دیا ہے کہ جیسے وہاں پر غنی کیے اس کا تصدق لازم ہے اور مستحق کے لیے اس کے استعمال کی گنجائش ہے اسی طرح اس مسئلے میں بھی اس کی گنجائش ہے۔ فرماتے ہیں:

وحاجته تقدم علی حق الفقراء وانما قلنا ذالک لان حق الفقراء فی هذا المال بمنزلة حقهم فی اللقطة علی معنی ان له ان یتصدق وله ان یردها علی المالک ان شاء(۴۴)

اور لقطہ کے بارے میں یہ بھی منقول ہے کہ امام کی اجازت سے بطور قرض لقطہ کے اموال کو غنی بھی استعمال کرسکتا ہے۔ جیسا کہ اموال بیت المال میں امام کو تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے اسی طرح وہ ان اموال میں سے کسی غنی کو بھی بطور قرض ان اموال کے استعمال کی اجازت دے سکتے ہیں۔

عصر حاضر مین غنی کے لیے اس طرح کے اموال کی بطور قرض استعمال کی اجازت کے بارے میں مفتی محمد تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں کہ چونکہ اس طرح کے مسائل آج کل حکمرانوں کے سامنے پیش نہیں کیے جاتے اس لیے اس طرح کے مسائل میں اگر کسی راسخ فی العلم متقی مفتی کسی شخص کو اس طرح کے اموال کو بطور قرض استعمال کی اجازت دے تو اس کی بھی گنجائش ہونی چاہیے۔(۴۵)

خلاصۃ البحث

احناف کے متاخرین اہل فتویٰ حضرات سے اس حوالے سے مختلف اقوال منقول ہیں جیسے فتاویٰ فریدیہ میں مال حرام سے کمائے گئے منافع کو علی الاطلاق کمانے والے کے لیے جائز کہا گیا ہے۔(۴۶) جبکہ کچھ اہل فتوی نے حرام مال سے کمائے جانے والے اموال کو قابل تصدق اموال قرار دیتے ہوئے کمانے والے کے لیے اس کو جائز قرار نہیں دیا سوائے اس صورت کے جب وہ خود مستحق ہو۔(۴۷)

اسی طرح کچھ اہل افتا حضرات کی رائے یہ ہے کہ کسبِ حرام کے ذرائع دو طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ ذرائع ہیں جن کی بنیاد ہی حرام ہے مثلاً کسب مغنیہ، یا سود کی کمائی یا کہانت سے حاصل کی گئی کمائی تو ان اشیا سے حاصل کی گئی کمائی اس کمائی اور اس کے منافع کو بھی منجز ہوتی ہے۔ مثلاً کتے (غیر معلم) کی ذات میں خباثت موجود ہے۔ اگر اسے بیچ دیا جائے تو اس سے حاصل ہونے والی رقم بھی حرام اور خبیث ہوگی۔ شراب حرام ہے، اس کے بیچ دینے کے بعد رقم کا استعمال بھی ناجائز ہے۔ اشیائے محرمہ مسلمان کی ملکیت میں داخل نہیں ہوتیں اسی طرح ان اشیا کا حاصل و منافع بھی مسلمان کی ملکیت میں داخل نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر کسی نے سودی رقم سے جائیداد بنائی، عمارتیں تعمیر کی ہوں یا کوئی بھی کاروبار کیا ہو وہ

سب کا سب حرام ہے اس کے حاصل و منافع میں خباثت بدستور قائم ہے۔ یہ رائے رکھنے والے حضرات یہ بھی فرماتے ہیں ایسا کہنا بھی درست نہیں کہ حرام کمائی سے جو جائیدادیں بنائی گئیں خریداری یا بناتے ہوئے اس میں جو حرام رقم یا سودی رقم خرچ ہوئی تھیں وہ صدقہ کرنے سے وہ جائیداد پاک یا حلال نہیں ہوں گی۔ اِن کی رائے یہ ہے کہ ایسا صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے جہاں پر مال مخلوط یا مال مغصوب ہو اور اصالتاً ان میں حرمت کی کوئی وجہ نہ ہو بلکہ سبب حرام یا سبب مجاورت کی وجہ سے ان میں حرمت آئی ہو۔ اور اگر وہ سبب زائل ہو جائے تو اس مال میں فی نفسہ حرمت کی کوئی اور وجہ نہ ہو تو اس وقت یہی حکم ہو گا کہ اس صورت میں غاصب کے ضمان کی ادائیگی کی بعد ان منافع اور اموال کی ملکیت غاصب کے حق میں ثابت ہو جائے گی۔ جبکہ سود یا وہ ذرائع جو اصالتاً حرام ہوں ان میں حرمت کی تجزی کا حکم ہے کہ جو کمائی ان کی فروخت سے حاصل ہو وہ بھی ناجائز اور حرام ہے۔ ان میں حلت کسی بھی صورت نہیں آسکتی۔(۴۸) ان حضرات کی رائے کے مطابق سودی رقم سے بنائی گئی جائیداد یا کاروبار یا لین دین سے حاصل کیا گیا نفع کی حیثیت سود ہی کی طرح ہے اور شریعت میں سود کا جو حکم ہے وہ ان اموال اور منافع و جائیداد پر بھی جاری ہو گا۔ تاہم ضرورت کے وقت یہ حضرات بھی اس مال کو حرام سمجھتے ہوئے اس کے سب کے لیے استعمال کی گنجائش کے قائل ہیں۔(۴۹)

اسی طرح کچھ اہلِ فتویٰ کی رائے سود اور اور کمائے گئے اموال حرام کے حوالے سے حلّت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ان اموال کے منافع جو حلال ذرائع سے حاصل کیے گئے ہوں ان کا استعمال کمانے والے شخص کے لیے جائز ہے جبکہ اموال مغصوبہ کے حوالے سے ان کی رائے ضمان کی ہے کہ اصل مالک کو منافع کی قیمت کی واپسی ضروری ہو گی بھلے اس چیز کو کمائی کے لیے بنایا گیا ہو یا نہ بنایا گیا ہو۔(۵۰)

تجاویز وسفارشات

ان اقوال کی بنیاد اس حوالے سے نقل ہونے والی مختلف روایات احناف ہیں جن میں سے ہر ایک نے انھی اقوال کو بطور دلیل لیا تاہم اس حوالے سے عصر حاضر میں معاشرتی وجوہات کی بنا پر درج ذیل سفارشات اہل علم کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ اموال مغصوبہ اور چوری کے اموال کے علاوہ سود وغیرہ کی کمائی کی صورت میں بہتر یہی ہے کہ اصل سود اور اس سے ہونے والی کمائی کو صدقہ کیا جائے اور اس کو اپنے استعمال میں نہ لایا جائے تاکہ اموال خبیثہ سے بچا جاسکے۔

۲۔ اگر اس صورت میں یہ خود مستحق ہو تو بقدر ضرورت ان اموال سے نفع سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے۔ لیکن اس کے لیے پہلے اصل مال (سود) صدقہ کر دے۔

۳۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اصل رقم صدقہ کرنے کے ساتھ ساتھ غالب اندازے کے مطابق اب تک حاصل ہونے والے نفع کو بھی صدقہ کر دیا جائے۔

۴۔ اگر اس میں حرج ہو تو پھر صرف اصل رقم صدقہ کرنے کی گنجائش ہونی چاہیے جیسا کہ بعض اہل علم کی رائے ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ اصل مال کو صدقہ کر لیا گیا ہو۔

۵۔ اموال مغصوبہ یا چوری شدہ اموال کی صورت میں اگر ان اشیا سے نفع کمایا گیا ہو تو اصل مالک کو کسی نہ کسی حد تک منافع کی ادائیگی کی صورت کے تعین کے لیے اہل علم حضرات کو حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام ابن تیمیہؒ اور حضرات طرفین کے ایک قول کہ جس میں انھوں نے اموال مغصوبہ کے منافع کو اصل مالک کو دینے کا فرمایا ہے، پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔[۵۱] تاکہ عصر حاضر میں لوگ اس طرح کے امور سے بچے رہیں اور لوگوں کے اموال محفوظ رہیں۔

حوالہ جات

(۱) البقرہ: ۱۶۸
(۲) الانفال: ۶۹
(۳) النحل: ۱۱۴
(۴) الجمعہ: ۱۰
(۵) صحیح البخاری، باب فضل النفقۃ فی سبیل اللہ، حدیث نمبر ۲۶۸۷
(۶) سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، علامہ ناصر الدین، الالبانی، مکتبہ المعارف للنشر والتوزیع، ریاض، ج ۲، ص ۱۶۰
(۷) النسا: ۲۹
(۸) البقرہ: ۱۸۸
(۹) البقرۃ: ۲۷۵
(۱۰) البقرۃ: ۲۷۹
(۱۱) النسا: ۱۰
(۱۲) صحیح البخاري: بَابٌ مَنْ شَاقَّ شَقَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ، حدیث نمبر ۷۱۵۲
(۱۳) سنن نسائی، باب الْحَثُّ عَلَى تَرْكِ الشُّبُهَاتِ، حدیث نمبر ۵۷۱۱
(۱۴) صحیح بخاری، باب الحَلاَلُ بَيِّنٌ، وَالحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ، حدیث نمبر ۲۰۵۱
(۱۵) لسان العرب، ابن منظور افریقی، محمد ابن مکرم، طبع سوم، سن ۱۴۱۴ھ، دار صادر، بیروت، ج ۱۲، ص ۱۲۰۔ ۱۲۱
(۱۶) المنہیات الشرعیہ فی کتاب رب البریہ، بسیونی عبد السلام، دار القلم للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان ج ۱، ص ۱۵۵
(۱۷) الفروق، القرافی، شہاب الدین احمد، عالم الکتب، بیروت، بدون طبع وبدون تاریخ، ج ۳، ص ۹۶
(۱۸) الفتاوی الکبریٰ، تقي الدین، أحمد بن عبد الحلیم، دار الکتب العلمیۃ، ج ۴، ص ۲۱۰

(۱۹) مجموع الفتاوی: تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن تيميه الحراني، مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، المدينه النبويه، المملكه العربيه السعوديه ۱۹۹۵ء، ج۲۸، ص۳۰۵

(۲۰) الفقہ الاسلامی وادلتہ، دکتور وھبہ الزحیلی، دار الفکر، شام، دمشق، طبع چہارم، ج۱۰، ص۷۹۴۵

(۲۱) ایضاً

(۲۲) القواعد، الزرکشی، دار لکتب العلمیہ، بیروت، سن ۲۰۰۰ء، ج۲، ص۲۴۵

(۲۳) الفتاوی الھندیہ، لجنۃ علماء برئاسۃ نظام الدین البلخی، طبع دوم، ۱۳۱۰ھ دار لفکر بیروت، ج۲، ص۲۳۴

(۲۴) زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، ابن قیم، محمد ابن ابی بکر، طبع ۲۷، ۱۹۹۴، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ج۵، ص۷۷۸

(۲۵) الاختیار لتعلیل المختار، لابن مودود، طبع دوم، ۱۹۳۷ء، دار الکتب العلمیۃ بیروت ج۳، ص۶۱

(۲۶) الانصاف، فی معرفۃ الراجح من الخلاف، ابو الحسن علی بن سلیمان المرداوی، طبع دوم، داراحیاء التراث العربی بیروت ج۶، ص۲۰۸

(۲۷) کشاف القناع، منصور بن یونس بن إدریس البھوتی الحنبلی، دار الکتب العلمیہ، ج۴، ص۱۱۳

(۲۸) السیل الجرار محمد بن علی الشوکانی، دارابن حزم، بیروت، ج۳، ص۱۱۳

(۲۹) بدایۃ المجتھد، أبو الولید محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد بن رشد القرطبي الشھیر بابن رشد، دارالحدیث القاھرۃ، بدون طبع، ۲۰۰۴ء، ج۲، ص۲۴۱

(۳۰) روضۃ الطالبین، المکتب الإسلامي، بیروت- دمشق- عمان، طبع سوم، ۱۹۹۱ء، ج۴ص۲۱۱

(۳۱) سنن ترمذی، ابو عیسی محمد ابن عیسی، بَاب مَا جَاءَ فِيمَنْ يَشْتَرِي الْعَبْدَ وَيَسْتَغِلُّهُ ثُمَّ يَجِدُ بِهِ عَيْبًا، حدیث نمبر ۱۲۸۵، ج۳، ص۵۸۲

(۳۲) dated : December 10,2018.https://fatwa.islamonline.net/11242

(۳۳) احکام المال الحرام، دکتور عباس احمد محمد الباز، دارالنفائس للنشر والتوزیع، ص۳۷۹

(۳۴) مجموع الفتاوی، ابن تیمیہ ج۳۰ص۳۲۲تا۳۳۰

(۳۵) موطا امام مالک، باب ماجاء فی القراض، حدیث نمبر ۱۱۹۵

(۳۶) المصدر السابق ج۳۰، ص۳۷۸

(۳۷) موسوعۃ الفقہ الاسلامی، محمد ابن ابراہیم التویجری، بیت الأفکار الدولیہ، بیروت، طبع اول، ۲۰۰۹ء، ص۱۱۷۱

(۳۸) الھدایہ فی شرح بدایۃ المبتدی : أبو الحسن برھان الدین، علی بن أبی بکر الفرغانی المرغینانی، طبع وسن ندارد، داراحیا التراث العرب، بیروت، لبنان، ج۴، ص۲۹۸

(۳۹) محولہ بالا

(۴۰) مجمع الضمانات فی مذھب الامام ابی حنیفہ، محمد غانم ابن محمد البغدادی، دارالکتاب الاسلامی، طبع اول، ۱۹۹۹ء، ج۱، ص۱۰۹

(۴۱) تبیین الحقائق، عثمان بن علی فخر الدین الزیلعی، المطبعۃ الکبری الأمیریہ - بولاق، قاھرہ، طبع اول، ۱۳۱۳ھ، ج۵، ص۲۲۵

(۴۲) فقہ البیوع، محمد تقی عثمانی، مکتبہ معارف القران کراچی، طبع اول، ۲۰۱۵ء، ج۲ص۱۰۴۵

(۴۳) الاختیار لتعلیل المختار، ابن مودود، ج۳، ص۶۱

(۴۴) المبسوط، محمد بن أحمد بن أبی سھل شمس الأئمۃ السرخسی، بدون طبع، ۱۹۹۳ء دار المعرفۃ، بیروت، ج۱۱، ص۷۷

(۴۵) فقہ البیوع، محمد تقی العثمانی، ج۲، ص1052

(۴۶) فتاوی فریدیہ، مفتی محمد فرید، طبع سوم ۲۰۰۹ء، دارالعلوم صدیقیہ صوابی پاکستان، ج۷ ص۲۵۵، منتخبات نظام الفتاوی، مفتی نظام الدین اعظمی، ایفا پبلی کیشنز، نیو دہلی، انڈیا، طبع اول مارچ ۲۰۱۳، ج۱، ص۳۲۲

(۴۷) http://www.scsguide.com/index.php/shares-and-investment/189-prize-bond-money-was-earned-by-business-profit-is-forbidden اور احسن الفتاوی، مفتی رشید احمد، ج۸، ص۱۰۳)

(۴۸) فتاوی بینات، مجلس دعوت و تحقیق اسلامی، جامعہ بنوری ٹاون کراچی، ۲۰۰۶ء، ج۴، ص۷۶ تا ۸۵

(۴۹) حوالہ بالا

(۵۰) فتاوی دارالعلوم زکریا، مفتی رضاء الحق، زمزم پبلشرز، اردو بازار کراچی، ۲۰۰۷ء، ج۶، ص۹۹ تا ۱۱۰

(۵۱) درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام، علی حیدر، دار عالم الکتب بیروت، ۲۰۱۵، ج۶، ص۵۸۵، المادہ ۵۹۶